محمد جعفر شاہ ندوی

# ازدواجی زندگی کیلئے اہم قانونی تجاویز

:(۴):

(سلسلہ کے لئے دیکھئے "ثقافت" ماہ مارچ)

## خُلع

جس طرح مردوں کو طلاق دینے کا حق ہے اسی طرح عورتوں کو طلاق لینے کا بھی حق ہے۔ عدل و انصاف اور مساویانہ حقوق کا تقاضا بھی یہی ہے۔ مرد اگر اپنی عورت کو کسی وجہ سے ناپسند کرتا ہے تو طلاق دیتا ہے لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ عورت اگر اپنے مرد کو کسی وجہ سے ناپسند کرے تو وہ طلاق لے کر الگ نہ ہو جائے۔ قرآن نے یہ حق دیا ہے ارشاد ہے کہ:

فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ۔۔۔ (۲: ۲۲۹)

یعنی اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ یہ دونوں حدود الٰہی کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیہ دے دے۔

عورت کے مطالبے پر جو طلاق ہوتی ہے اس کو خُلع کہتے ہیں۔ اور جس طرح مرد کو ــ اگر وہ اپنی خوشی سے طلاق دے ــ کچھ مالی ایثار کرنا پڑتا ہے (جس کا فروری کے "ثقافت" میں ذکر آچکا ہے) اسی طرح عورت کو بھی۔ اگر مطالبۂ طلاق عورت کی طرف سے ہو ــ کچھ مالی ایثار کرنا پڑتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ مرد کو بوجہ قوی ہونے کے زیادہ ایثار کرنا پڑتا ہے یعنی مہر اور وہ تمام چیزیں جو وہ اپنی بیوی کو دے چکا ہے چھوڑنا پڑتا ہے۔ اور عورت کو بوجہ ضعیف ہونے کے صرف رقم مہر واپس کرنی پڑتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں خلعے کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایسی طلاق ہے جو معاوضہ دے کر حاصل کی جائے۔ ایک اور فرق یہ بھی ہے کہ مرد کی طرف سے جو طلاق ہوتی ہے وہ رجعی، بائن اور مغلظ تینوں قسم کی ہو سکتی ہے[1] لیکن عورت جب بذریعۂ خلع طلاق حاصل کرتی ہے تو وہ صرف بائنہ ہوتی ہے یعنی اب اگر پھر دونوں زوجین بننا چاہیں تو زبانی یا عملی رجوع کافی نہیں ہوگا بلکہ تجدیدِ نکاح کے بعد ہی پھر زوجین بن سکتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ تجدید نکاح تراضیٔ طرفین کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

**خُلع کی بُرائی**: فروری کے ثقافت میں بسلسلہ بیانِ طلاق یہ ذکر آچکا ہے کہ ایک شکل کے سوا طلاق کی جتنی شکلیں ہیں وہ سب نہایت قابل نفرت ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں فرماتا۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ:

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق | جائز چیزوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ نفرت شئے طلاق ہے۔

---

[1] ان اقسام کی تشریح فروری کے "ثقافت" میں آچکی ہے۔

بالکل اسی قسم کی وعید خلع کرانے کے متعلق بھی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ:

المختلعات هن المنافقات (ترمذی)

خلع کرنے والی عورتیں منافق ہوتی ہیں۔

ایما امرأة سألت زوجها الطلاق من غیر بأس فحرام علیها رائحة الجنة (ترمذی)

جو عورت اپنے شوہر سے بغیر کسی برائی کے مطالبہ طلاق کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

ان ارشادات نبوی کو دیکھنے کے بعد یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ جس طرح طلاق جیسی ابغض الحلال شئے سے حتی الامکان بچنا ضروری ہے اور اسی لئے اس راہ میں بہت طرح کی رکاوٹیں پیدا کی گئی ہیں اسی طرح خلع جیسی منافقانہ حرکت سے بھی جہاں تک ممکن ہو بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

لیکن ایک بڑی فقہی مشکل اس میں یہ حائل ہے کہ خلع میں اگرچہ ایک ہی طلاق ہوتی ہے لیکن یہ بائنہ ہوتی ہے۔ اگر رجعی ہوتی تو دوران عدت میں رجوع کا امکان باقی رہتا۔ اور زوجین کے ایک ہی گھر میں رہنے کی وجہ سے یہ امکان قوی تر ہوتا۔ لیکن بائنہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اسی وقت زوجیت سے آزاد ہو جاتی ہے اور نفقہ و سکنی اختتام عدت تک شوہر کے ذمے ہونے کے باوجود امکانِ رجوع کی کوئی شکل نہیں رہتی بجز اس کے کہ تجدید نکاح ہو۔ طلاق بائنہ ہونے کے بعد دونوں ایک ہی گھر میں بھی نہیں رہ سکتے کہ تجدید نکاح کے لئے سازگار ماحول پیدا ہو۔

اس لئے خلع کے طلاق بائنہ ہونے کی وجہ سے ان دفعات کی ضرورت نہیں رہتی۔ جو مرد کے طلاق رجعی دینے کے بعد ہوتی ہیں اور جن کا ذکر فروری کے "ثقافت" میں آچکا ہے۔ ہاں وہ دفعات باقی رہیں گی جن کا مقصد عورت کو اس ارادے سے حتی الامکان باز رکھنا ہے لہٰذا خلع کے لئے مندرجہ ذیل قوانین نافذ کرنے چاہئیں:

(۱) بعثت حکمین کا عمل پورا کیا جائے۔

(۲) اشہاد شاہدین بھی ہو۔

(۳) تکمیل عدت تک (خواہ یہ تین قروء[1] ہوں یا ولادت) نفقہ و سکنی مرد کے ذمے ہو۔

(۴) ارضاع کی اجرت شوہر سے دلوائی جائے۔

(۵) مقدار مہر سے زیادہ مرد کو معاوضہ طلاق نہ دلوایا جائے۔

(۶) حق حضانت بدستور قائم رہے۔

(۷) تحریری تصدیق ہو۔

ان سب دفعات کی تفصیل "ثقافت" ماہ فروری کی پیش کردہ دفعات متعلقہ طلاق کی دفعہ ۱، ۴، ۷، ۸، ۹، ۱۰،

---

[1] قروء (جمع قرء) کے معنی ہیں عورتوں کے خاص ایام۔ اس کے معنی طہر کے بھی ہیں۔

۱۱ اور ۱۲ میں ملاحظہ فرما لیجیے۔ باقی دفعات ـــ ۱، ۳، ۴، ۵، ۶، ۸ اور ۱۲ کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کا تعلق طلاق رجعی سے ہے۔ جو شوہر خود اپنے ارادے سے دیتا ہے۔

**ایک شبہے کا ازالہ:** یہ شبہہ کیا جا سکتا ہے کہ ہم نے دفعات ۵ و ۶ میں لکھا ہے کہ رجعی طلاق کے سوا تمام طرح کی طلاقوں کو کالعدم قرار دینا چاہیئے۔ پھر یہاں خلعے کو طلاقِ بائن کیوں تسلیم کر لیا؟ ـــ دراصل معاملہ یوں ہے کہ:

(۱) خلعے والی طلاق کے متعلق کوئی روایت ایسی نہیں مل سکی جس سے اس کا رجعی ہونا ثابت ہو۔ سب روایتیں بائنہ ہی ہونے کی تائید کرتی ہیں، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ لا تکون طلقة بائنة الا فی فدیة او ایلا۔ ایلا اور خلعے کے سوا کوئی طلاق بائنہ نہیں ہوتی ہے۔ (رواہ ابن ابی شیبہ عن علی و ابن مسعود)۔

(۲) مرد و زن کی نفسیات میں ایک عمومی فرق یہ ہے کہ مرد ذرا ذرا سی بات پر طلاق دینے کو آمادہ ہو جاتا ہے اس لئے اسے اپنے ارادے پر نظرِ ثانی کرنے کے لئے کچھ قیود و حدود لگانی چاہئیں۔ مرد کو رجعی کا پابند بنانے میں یہ فائدہ ہے کہ اسے کئی ماہ اس کے نشیب و فراز کو سوچنے کا موقع مل جاتا ہے اور عورت کو بھی اپنی اصلاح کی مہلت مل جاتی ہے بخلاف اس کے عورت اسی وقت مطالبۂ طلاق کرتی ہے جب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو۔ اس لئے اس کا فیصلہ آخری فیصلہ سمجھنا چاہیئے۔ البتہ اسے اس ارادے سے باز رکھنے کے لئے بعث حکمین، اشہاد شاہدین، واپسیٔ مہر، رجوع الی القاضی اور انتظارِ عدت کا خیال کافی موانع ہیں۔

**ایک دوسرا شبہہ:** خلع کی آیت اوپر نقل کی جا چکی ہے فان خفتم شقاق بینهما الخ۔ اس کا انطباق (APPL CATION) عہدِ نبوت میں پہلی بار یوں ہوا کہ جمیلہ بنت عبداللہ بن اُبی نے جو ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی تھیں حضورؐ سے عرض کیا کہ: ما اعتب ثابتا فی خلق ولا دین ولکن اکرہ الکفر فی الاسلام یعنی مجھے ثابتؓ سے کوئی اخلاقی و دینی شکوہ نہیں لیکن میں اسلام میں کفر (منافقانہ محبت) کو ناپسند کرتی ہوں۔ چنانچہ حضورؐ نے ثابت سے کہا کہ اپنا باغ (جو مہر میں دیا ہے) واپس لے لو اور جمیلہ کو طلاق دے دو۔ (بخاری و نسائی عن ابن عباس)، اسی طرح ثابت کی بدصورتی اور مارنے کی شکایت ان کی دوسری بیوی حبیبہ بنت سہل نے بھی کی اور حضورؐ نے ان کو بھی ثابت سے جدا کرا دیا۔

اس روایت کو دیکھ کر یہ شبہہ کیا جا سکتا ہے کہ حضورؐ نے صرف ایک معمولی ناپسندیدگی کو بنا قرار دے کر تفریق کرا دی نہ کوئی رکاوٹ پیدا کی نہ اسے سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا اور یہاں ہم نے کئی دفعات اس سے باز رکھنے کے لئے پیش کی ہیں ـــ اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ:

(۱) طلاق کی طرح خلعے کو بھی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے (جیسا کہ اوپر گزر چکا) اس لئے طلاق کی طرح خلعے میں رکاوٹیں پیدا کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ خلعے کا اختیار ہی سلب کر لیا جائے۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ ان پابندیوں کی وجہ سے خلعے کے غلط استعمال کا سدباب ہونے کی توقع ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ جمع تفریق پر مقدم ہے۔ طلاق میں رکاوٹیں پیدا کرنے کا جو مقصد ہے وہی مقصد یہاں بھی ہے۔

(۲) اگر یہی ہے تو طلاق میں بھی یہ رکاوٹیں نہ ہونی چاہئیں کیونکہ عہدِ نبوت میں کوئی نظیر بعث حکمین و اشہادِ شاہدین وغیرہ کی بھی نہیں ملتی۔

(۳) اگر حدیث کی بنا پر یہ فیصلہ کرنا ہے تو پھر خلعے میں اس پر بھی عمل ہونا چاہیئے کہ اس کی عدت فقط ایک قرء ہو کیونکہ ابن عباس ہی سے ابو داؤد و ترمذی میں یہ روایت بھی ہے کہ:

ان امراۃ ثابت بن قیس بن شماس اختلعت من زوجہا علی عہد النبی صلے اللہ علیہ وسلم فامرھا النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان تعتد بحیضۃ۔

جمیلہ نے جب ثابت سے خلع کیا تو حضورؐ نے جمیلہ کو صرف ایک قرء کی عدت گزارنے کا حکم دیا۔

یہی شکل رُبیع بنت معوذ کے ساتھ بھی ہوئی۔ ان کے خلعے کے بعد بھی ایک ہی قرء کی عدت گزارنے کا حکم ہوا (ترمذی)

علاوہ ازیں نسائی کی مندرجہ بالا روایت میں یہ بھی ہے کہ فطلقہا تطلیقۃ۔ یعنی ثابت نے جمیلہ کو ایک طلاق دی تھی ظاہر ہے کہ ایک طلاق رجعی ہوتی ہے اور عدت گزرنے کے بعد بائنہ ہوتی ہے۔

اب دیکھئے جب ان روایتوں کے ہوتے ہوئے جمہور فقہا اس طلاق کو بائنہ اور اس کی عدت کو تین قروء بتاتے ہیں تو خلعے کی کراہیت کے پیشِ نظر اس سے باز رکھنے کے لئے کچھ قیود کیوں نہیں لگائی جاسکتیں؟

**ایک مشکل کا حل:** خطابی طاؤس، عکرمہ، احمد بن حنبلؒ، اسحاق اور ابو ثور ابن حزم اور ابن قیم اور ایک ضعیف روایت میں حضرت علیؓ و امام شافعیؒ بھی اس خلعے والی تفریق کو فسخ نکاح قرار دیتے ہیں اور ان کی مختلف دلیلوں میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے اگر یہ طلاق بائن ہوتی تو عدت فقط ایک قرء کی بجائے تین قروء ہوتی۔ ان حضرات کے علاوہ جمہور صحابہ و تابعین اور فقہا اس تفریق کو طلاق بائن اور عدت تین قروء بتاتے ہیں۔ (تاج الاصول)

ہمارے خیال میں معاملہ یوں ہے کہ عورت کے مطالبۂ طلاق پر قاضی شوہر سے طلاق دینے کو کہے گا۔ اگر وہ طلاق دیدے تو یہ طلاق بائنہ ہوگی اور عدتِ طلاق تین ہی قروء ہوگی۔ لیکن اگر وہ طلاق دینے پر راضی نہ ہو تو قاضی اپنے اختیاراتِ خصوصی سے نکاح کو فسخ کردے گا اور اس صورت میں اس فسخِ نکاح کی عدت ایک ہی قرء ہوگی۔ ثابت والی روایت سے تو یہ بات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ان کے طلاق دینے کے باوجود عدت کے لئے ایک ہی قرء گزارنے کا حکم ہوا لیکن دونوں مسلکوں کو جمع کرنے کی ہمارے خیال میں یہی صورت ہے جو ابھی لکھی گئی۔

## ترکہ

عورتوں کو خواہ وہ بیوی ہو یا بیٹی یا ماں قرآن نے ترکہ دلوایا ہے اور ان سب کے حصوں کی تعیین کردی ہے لیکن موجودہ معاشرے میں اس پر عمل بہت کم ہوتا ہے۔ حکومت اسلامیہ کا فرض ہے شرعی تقسیم ترکہ کے متعلق حکم نافذ کرے۔ حصوں کے متعلق صرف چند نکات ہیں جن کو مختلف فیہ کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً یتیم پوتے پوتی کی وراثت، عول، وصیت اور عصبات وغیرہ۔ اس وقت

ان مسائل پر یا فلسفۂ میراث پر کوئی بحث مقصود نہیں۔ اس وقت تو حقوقِ نسواں کے سلسلے میں وراثت سے تعلق رکھنے والی چند تجاویز کو نافذ کرانا مقصود ہے۔ ہماری رائے میں مندرجۂ ذیل قوانین سردست نافذ کر دینے چاہئیں:۔

(۱) عورتوں کے جو حصے قرآن نے مقرر کئے ہیں وہ ان کو دینے ضروری ہیں۔

(۲) بیوہ کی عدت (چار ماہ دس دن یا ولادت) کے دوران میں اخراجات شوہر کے مال سے ہوں گے اور یہ اس کے حصۂ وراثت کے علاوہ ہوں گے۔

(۳) متوفی شوہر ایک سال کے اخراجات کی وصیت کر جائے۔ اگر وصیت نہ بھی کرے تو ایک سال کی وصیت سمجھ لی جائے۔ اور یہ ایک سال کے اخراجات بھی بیوہ کے حصۂ وراثت کے علاوہ ہونگے بشرطیکہ بیوہ اپنے متوفی شوہر ہی کے گھر میں رہے۔

(۴) اگر عدت کے بعد بیوہ عقد ثانی کرے یا شوہر کا گھر چھوڑ دے تو شوہر کے مال سے اس کے اخراجات اسی وقت سے بند ہو جائیں گے۔

(۵) ایک سال تک اگر وہ عقد ثانی نہ کرے تو اس کے بعد اس کے اخراجات کا بار شوہر کے مال پر نہ پڑے گا۔

قرآن کریم میں بیوہ کی عدت گزارنے احکام یوں ہیں:

(الف) والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا۔۔۔۔ (۲: ۲۳۵)

اور تم میں سے جن کی وفات ہو جائے اور وہ بیبیاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں رکھیں۔

(ب) واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن

حاملاؤں کی عدت وضع حمل تک ہے

پس عدت خواہ چار ماہ دس دن ہو یا تا حین ولادت دونوں کے اختتام تک کے اخراجات شوہر ہی کے ذمے یعنی اس کے مال سے اسی طرح ہوں گے جس طرح مطلقہ یا مختلعہ (خلع کرنے والی) کے اخراجات شوہر کے ذمے ہوتے ہیں (جس کا ذکر طلاق کے بیان میں آچکا ہے) ۔ ظاہر ہے کہ شوہر کے مال میں اس کا یہ حق حصۂ وراثت کے علاوہ ہے کیونکہ وہ اسی کے سوگ میں ہے یا اس کے بچے کو اپنے شکم میں پرورش کر رہی ہے۔ جب خلع والی تفریق میں (جو طلاق بائن ہے اور جس میں بیوی کا شوہر سے کوئی تعلق نہیں رہ جاتا) عدت کے اخراجات شوہر کے مال سے ہوتے ہیں۔ تو بیوگی کی عدت میں کیوں نہ ہوں؟ صرف عدت کے اخراجات ہی نہیں بلکہ وہ ان تمام رعایتوں کی حقدار ہے جن کا ذکر طلاق کے بیان میں آچکا ہے۔ مثلاً ارضاع وحضانت وغیرہ (دیکھو دفعہ ۸ تا ۱۱)

ہاں اگر وہ بعد عدت عقد ثانی کرے تو ظاہر ہے کہ ترکے کے سوا دوسرے ان حقوق سے وہ محروم ہو جائے گی جو شوہر اول کے ذمے ہوتے ہیں۔

اب رہا ایک سال تک کے اخراجات کی وصیت کا معاملہ تو قرآنِ پاک میں ایسی وصیت کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعاً الی الحول غیر اخراج
فان خرجن فلاجناح علیکم فی ما فعلن فی انفسھن من معروف ...... (۲ : ۲۴۰)

جو لوگ مرنے لگیں اور بیبیاں چھوڑ جائیں انھیں ان بیبیوں کے لئے ایک سال کے اخراجات کی وصیت کر جانی چاہئے
گھر سے نکالے بغیر۔ ہاں اگر وہ خود (بعد عدت) چلی جائیں تو جو معقول فیصلہ وہ اپنے حق میں کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔

ہماری معاشرتی زندگی میں اس آیت کو ذرہ برابر بھی کوئی عملی اہمیت حاصل نہیں حالانکہ منشائے آیت صاف ہے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مرنے والے ایسی وصیت کر جائیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر اس کو وصیت کا موقع نہ ملے ــــ خواہ قصداً ہو یا سہواً یا اچانک موت کے باعث ہو ــــ تو کیا اس آیت کے حکم سے بالکل قطع نظر کر لینا چاہیئے؟ جہاں تک ہم غور کر سکے ہیں بات یوں ہے کہ دورانِ عدت میں پیغام نکاح دینا بھی ناجائز ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتب اجلہ

جب تک عدت ختم نہ ہو بیوہ یا مطلقہ کے نکاح کا ارادہ بھی نہ کرو۔

اب ظاہر ہے کہ عدت کے دوران میں پیغام بھی نہیں دیا جا سکتا اور عدت ختم ہوتے ہی فوراً نکاح نہیں ہو جاتا۔ کچھ دن لگ ہی جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں یہ کوئی شرافت نہیں کہ عدت ختم ہوتے ہی بیوہ کو بیک بینی و دو گوش گھر سے باہر نکال دیا جائے۔ کچھ مدت اور بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیئے۔ یہ حسن سلوک زیادہ سے زیادہ کتنی دیر ہو؟ اسی سوال کا جواب اس آیت میں ہے کہ یہ مدت کم از کم عدت کے دن ہیں اور زیادہ سے زیادہ ایک سال۔ ایک سال تک مہلت دینے کی ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ اگر چار ماہ دس دن تک یہ معلوم ہو جائے کہ یہ بیوہ حاملہ ہے تو ولادت اور زچگی وغیرہ کی مدت ملا کر تقریباً ایک سال پورا ہو جائے گا اس کے بعد وہ عقد ثانی کرے گی۔

پس جب یہ وصیت ضروری ہے ــــ خواہ ثلث مال ہی میں سے ہو ــــ تو اس کے نفاذ کی یہ شکل نہیں کہ اگر شوہر وصیت کرے تو پوری کی جائے اور نہ کرے تو نہ پوری کی جائے۔ اگر وہ وصیت نہ بھی کر سکے تو یہ فرض کر لینا چاہیئے کہ اسکی وصیت نافذ العمل ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وصیت تو والدین اور اقربین کے لئے بھی فرض ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

کتب ...... الوصیۃ للوالدین والاقربین۔

والدین اور دوسرے قرابتداروں کے لئے بھی وصیت فرض ہے۔

لہٰذا اگر بیوی کے حق میں وصیت کو نافذ فرض کر لیا جائے تو والدین اور دوسرے اقربین کے حق میں بھی وصیت کو ــــ خواہ وصیت کی نہ گئی ہو ــــ نافذ فرض کر لینا چاہیئے ــــ

سوال تو واقعی اہم ہے لیکن بات یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ یہ رعایت ایک محدود مدت تک ہے وہ بھی اس صورت میں کہ وہ اپنا کوئی نیا رشتہ نہ کرے یہ سب کچھ اس کی عدت کی مجبورانہ حالت بے بسی کی رعایت ہے۔ اور بعض اوقات یہ بھی

ہوتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کا بچّہ اپنے شکم میں لئے ہوتی ہے یا اس کی ولادت کے بعد اس کی پرورش کرتی ہے۔ اس لئے تا عقد ثانی وُہ ان رعایتوں کی مستحق ہے۔ والدین یا دوسرے اقربا نہ عدّت گزارتے ہیں نہ متوفی کے بچّے کو اپنے شکم یا گود میں لئے ہوتے ہیں اور نہ انھیں عقد ثانی کا کوئی انتظار کرنا ہوتا ہے۔ بس اگر وصیّت نہ ہونے کی شکل میں ان والدین و اقربا کے لئے وصیت نافذ العمل نہ ہو سکے تو یہ کوئی ضرور نہیں کہ بیوہ کے حق میں بھی اسے نہ نافذ کیا جائے۔

# خیار بلوغ

ہم نے جنوری کے "ثقافت" میں (ص ۳۲ پر) ان خرابیوں کا نمبروار ذکر کیا ہے جو ہمارے معاشرے میں عام ہیں۔ اس کے ضمن میں خیار بلوغ کا بھی ذکر ہے۔ ہمیں یہاں اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ کمسنی کی شادی کا سدباب ہونے کے بعد (جس کا ص ۳۵ پر ذکر ہے) خیار بلوغ کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے لیکن چونکہ ہم نے بالکل مخصوص حالات میں استثنا کی گنجائش بھی رکھی ہے اس لئے وہاں قدرۃً خیار بلوغ کا معاملہ سامنے آ جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے استثنائی حالات کے لئے اس مسئلے کی کچھ وضاحت اور اس کے لئے قانونی تجاویز کی بھی ضرورت ہے۔

خیار بلوغ سے مراد فسخ نکاح کا وہ اختیار ہے جو نابالغ کو بالغ ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

حنفی فقہ میں نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح باپ یا دادا بھی کر سکتا ہے اور دُوسرے اولیا بھی لیکن فرق یہ ہے کہ اگر باپ یا دادا کر دے تو یہ نکاح ہر حال میں نافذ ہو گا حتیٰ کہ:

ولو کان ذلك من غیر کفوءٍ او کان بغبن فاحش بزیادۃ مھرہ او قلۃ مھرھا لان شفقتھما علی الصغار فوق شفقۃ جمیع الاجانب والاقارب۔

(عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ لمولانا عبدالحی)

اگر یہ نکاح غیر کفو میں ہوا ہو یا لڑکے کے مہر میں زیادتی اور لڑکی کے مہر میں کمی کر کے غبن فاحش کا ارتکاب ہوا ہو۔ جب بھی نکاح نافذ رہے گا کیونکہ چھوٹوں پر باپ اور دادا کی عنایت دوسرے رشتے داروں اور بیگانوں سے زیادہ ہوتی ہے۔

ایسے نکاح کو لڑکی بالغ ہو کر بھی فسخ کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔ ہاں اگر کوئی دوسرا ولی نابالغی میں نکاح کر دے تو اسے بالغ ہو کر فسخ کرنے کا اختیار ہے لیکن یہ اختیار کس طرح کا ہے اسے بھی سُن لیجئے:

وفی غیرھما فسخ الصغیران حین بلغا او علما بالنکاح بعدہ وسکوت البکر رضاء ولا یمتد خیارھا الی اٰخر المجلس ان جھلت بہ وخیار الغلام والثیب لا یبطل بلا رضاء صریح او دلالتہ ولا بقیا مھما عن المجلس وشرط

القضاء لفسخ من بلغ ۔ (وقایہ)

باپ یا دادا کے علاوہ کوئی اور نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کردے تو بالغ ہوتے ہی یا علم نکاح ہوتے ہی وہ فسخ نکاح کر سکتے ہیں ۔ باکرہ کا سکوت اس مسئلے میں مرادف رضا ہے۔ اس کا اختیار فسخ آخر مجلس تک قائم نہیں رہتا خواہ وہ اپنے اس اختیار سے ناواقف ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں لڑکے اور ثیبہ[1] کا خیار بلوغ اس وقت ختم ہو جائیگا جب وہ صراحۃً یا دلالۃً اس نکاح پر راضی ہونے کا اظہار کردیں صرف مجلس بدلنے سے یہ خیار ختم نہیں ہوگا اور اس فسخ کے لئے قاضی کا فیصلہ بھی ضروری ہے ۔

ان دونوں عبارتوں کا خلاصہ آسان لفظوں میں یوں ہے :

(۱) باپ یا دادا اپنی نابالغ لڑکی کا اور لڑکے کا بھی نکاح کر سکتا ہے ۔

(۲) اور یہ نکاح بہرصورت نافذ رہے گا ۔

(۳) اگر یہ کوئی ظلم مثلاً غبن فاحش (مہر کی زیادتی و کمی) بھی کریں اور غیر کفو میں بیاہ دیں جب بھی نکاح نافذ رہے گا کیونکہ باپ یا دادا پر یہ اعتماد ہے کہ وہ اپنی اولاد خورد پر مہربان ہی ہوتا ہے ۔

(۴) نابالغہ کو (اور نابالغ کو بھی) بالغ ہونے کے بعد یہ نکاح فسخ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ۔

(۵) اگر باپ دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ولی نابالغ لڑکی کا نکاح کردے تو اسے فسخ کرنے کا اختیار اسی لمحے تک رہتا ہے جس میں اسے اپنے بلوغ یا نکاح کا علم ہو یعنی اگر نکاح کا پہلے سے علم ہو تو بالغ ہوتے ہی نکاح فسخ کردے اور اگر بلوغ کے بعد نکاح کا علم ہوا ہو تو یہ علم ہوتے ہی فسخ کردے ۔

(۶) اگر علم بلوغ یا علم نکاح ہوتے ہی اس نے فوراً ہی نکاح فسخ نہ کیا اور ایک لمحہ بھی خاموش رہی تو یہ خاموشی رضا سمجھی جائیگی۔ بالکل اسی طرح جس طرح اذن نکاح لیتے وقت بالغہ کی خاموشی رضا ہوتی ہے ۔

(۷) یہ خیار فسخ زمان کی طرح اسی مکان میں رہتا ہے۔ جس میں علم بلوغ یا علم نکاح ہوا ہو۔ گویا علم بلوغ یا علم نکاح ہو ایک کمرے میں اور وہ اپنے فسخ کی اطلاع دینے جائے دوسرے کمرے میں، تو مجلس بدل جانے سے اس کا خیار فسخ بھی ختم ہو جائیگا ۔

(۸) اگر اسے ان نازک مسائل سے واقفیت نہ ہو جب بھی ایک لمحہ گزر جانے یا دو قدم چلنے سے اس کا اختیار فسخ ختم ہو جائیگا ۔

(۹) لڑکے یا ثیبہ کو بالغ ہونے کے بعد نکاح فسخ کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے ۔ وقت گزرنے یا جگہ بدلنے سے کوئی اثر نہیں پڑتا ۔

(۱۰) ہاں اگر وہ بالغ ہونے کے بعد زبان سے کہہ دیں کہ ہمیں یہ نکاح منظور ہے یا قوی قرینے سے معلوم ہو جائے کہ یہ نکاح پر راضی ہیں تو اسی وقت نکاح فسخ کرنے کا اختیار ختم ہو جائیگا ۔

(۱۱) نکاح فسخ ہونے کے وہ تمام اختیارات (جن کی تفصیل ابھی آپ پڑھ چکے ہیں) اس وقت تک معلق رہیں گے جب تک ۔ قاضی

---

[1] ثیبہ سے مراد وہ ہے جس کی بکارت زائل ہو چکی ہو یہاں وہ ثیبہ مراد ہے جو قبل از بلوغ ہی کسی طرح ثیبہ ہو گئی ہو ۔

فیصلہ نہ دے۔ یعنی فرض کیجئے ایک نابالغہ کا نکاح اس کے ولی نے کر دیا تو اسے فسخ کرنے کی شکل صرف یوں ہو گی پہلے تو وہ علامتِ بلوغ دیکھتے ہی جہاں اور جس حالت میں ہے اسی وقت زبان سے کہہ دے کہ میں نے نکاح فسخ کر دیا پھر وہ اور جن لوگوں کے سامنے اس نے فسخ نکاح کا اظہار کیا ہے وہ بھی قاضی کے سامنے اپنے اپنے بیان دیں گے۔ اس کے بعد قاضی فیصلہ دے گا کہ ہاں یہ نکاح فسخ ہو گیا۔ قاضی کے فیصلے تک یہ اختیارِ فسخ گویا معلق رہے گا۔ یہ اختیارِ فسخ بھی اسی صورت میں ہے جبکہ باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے یہ نکاح کرا دیا ہو۔ اگر باپ دادا نے کرایا ہو تو اختیارِ فسخ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

ان تفصیلات کی بجائے ہمارے خیال میں صاف صاف یہ کہہ دینا زیادہ بہتر تھا کہ نابالغی کا نکاح فسخ ہی نہیں ہو سکتا۔

**لطیفہ:** مشہور ہے کہ کوئی مولانا پلصراط پر سے گزرنے کی دشواریاں بیان فرما رہے تھے کہ وہ بال سے زیادہ باریک ہے اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے اور ذرا اِدھر اُدھر ہونے سے آدمی جہنم میں گر جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک سرحدی پٹھان یہ تفصیلات سننے کے بعد کہنے لگا کہ: تو تم صاف صاف یہ کیوں نہیں کہتا کہ رستہ بند ہے؟

**دلچسپ دروغ:** فرض کیجئے کہ ایسی نابالغہ کو شب کے وقت یا کسی ایسے موقعے پر جہاں نہ اعلان مناسب ہو نہ کسی کو گواہ بنانا ناممکن ہو (مثلاً حمام یا بیت الخلاء وغیرہ میں) اپنے بلوغ کا علم ہو تو ظاہر ہے کہ صبح ہونے یا اس جگہ سے باہر آنے تک اس کا خیارِ فسخ ختم ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟ اس کا علاج بھی سن لیجئے:

> وعلی هذا قالوا ینبغی ان تطلب مع رؤیة الدم فان رأته لیلاً تطلب بلسانها فتقول فسخت نکاحی وتشهد اذا اصبحت وتقول رأیت الدم الآن۔ قیل لمحمد کیف یصح هذا وهو کذب فقال لا تصدق فی الاشهاد فجاز لها ان تکذب کیلا یبطل حقها۔ (عمدۃ الرعایہ)

اس بنا پر فقہا کہتے ہیں کہ خون (علامت بلوغ) دیکھنے کے ساتھ ہی وہ اپنی خواہش کا اظہار کر ڈالے۔ لہٰذا اگر اس نے شب کو خون دیکھا ہو تو اپنی خواہش فسخ کا اظہار کر دے یعنی اپنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے اپنا نکاح فسخ کر دیا اور جب صبح ہو جائے تو یوں گواہی دے کہ (شب کو نہیں بلکہ) ابھی ابھی میں نے علامتِ بلوغ دیکھی ہے۔ امام محمد سے پوچھا گیا کہ لڑکی کی یہ گواہی کس طرح صحیح ہو سکتی ہے جبکہ یہ ایک جھوٹ ہے تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ اس شہادت میں تو وہ سچی نہیں لیکن یہ جھوٹ اس کے لئے اس وجہ سے جائز ہے کہ اس کا حق (خیارِ فسخ) ضائع نہ ہو۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ جس لڑکی کا نکاح نابالغی میں ہوا ہو اسے جھوٹ بولنے کی تو اجازت ہے لیکن مستقبل کے متعلق سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کی اجازت نہیں۔ بس اتنی اجازت ہے کہ علامتِ بلوغ ہوتے ہی اسی حال میں اور اسی آن اپنی زبان سے اعلانِ فسخ کر کے کسی کو گواہ بنا لے پھر بھی نکاح فسخ نہ ہو گا بلکہ معلق رہے گا۔ جب وہ قاضی سے مطالبہ کرے گی تو قاضی

اس فسخ کا فیصلہ دے گا۔ اور اگر لڑکی اس مسئلے کی نزاکت کا کوئی علم نہ رکھتی ہو جب بھی ایک منٹ گزر جانا یا دو قدم چلنا اس کی رضا سمجھا جائے گا اور فسخ نکاح کا اختیار ختم ہو جائیگا ـــــ

یہ ہیں وہ حقوق جو عورتوں کو ہماری فقہ میں دیئے گئے ہیں۔ کسی خاص دور میں تو یہ قانون درست ہو سکتا تھا جبکہ باپ دادا کی شفقت قابلِ اعتماد ہو۔ لیکن آج اسے باقی رکھنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جبکہ باپ دادا اپنی اولاد کی تجارت کرنا کوئی عیب نہیں سمجھتے۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ کسی لڑکی کو اپنے اس اختیار کا نہ علم ہوتا ہے نہ اسے اس کا علم ہونے دیا جاتا ہے۔ اگر اسے معلوم بھی ہو تو مجبورانہ حیا اور انداز معاشرت نے اس کے اختیار کو مہر سکوت سے بدل دیا ہے۔ ہمارے پاس نکاح و طلاق وغیرہ کے سینکڑوں استفتے اور مقدمات آئے ہیں لیکن آج تک ایک واقعہ بھی ایسا نہیں معلوم ہو سکا کہ کسی لڑکی نے علامت بلوغ دیکھتے ہی اسی آن فسخ نکاح کا اعلان کر دیا ہو۔ کسی کتاب میں بھی ایسا کوئی واقعہ میری نظروں سے نہیں گزرا۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ محض ایک فرضی قسم کا اختیار دیا گیا ہے۔ جس سے فائدہ اٹھانے کا امکان ایک فیصد بھی نہیں۔ گویا اختیار دیکر اسے سلب نہیں کیا گیا ہے بلکہ ایک ایسا اختیار دیا گیا ہے جو پہلے ہی سے سلب شدہ ہے۔

اس لئے نابالغی کی شادی کی صورت میں لڑکی کو یہ اختیار رہنا چاہیئے کہ بعد از بلوغ ایک سال (یا جو مناسب مدت سمجھی جائے) کے اندر نکاح کو فسخ کر سکے۔

اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں کیونکہ اس قانون کے نفاذ کے بعد اس کی حیثیت ایک ایسی شرط کی ہو جائیگی جس کا شرائط نامۂ نکاح میں لکھوانا اسی طرح جائز ہے جس طرح تفویض طلاق لکھوالینا۔

---

**الدین یسر** مصنفہ مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی۔ جو لوگ اسلام کو بے حد دشوار اور ناممکن العمل سمجھتے ہیں۔ انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کو ہماری غلطیوں نے ایک مصیبت بنا دیا ہے ورنہ حضور اکرمؐ کے فرمان کے مطابق دین آسان سی چیز ہے۔ بہت سے مسائل اس میں ایسے آئے ہیں، جو اب تک الجھے ہوئے تھے۔ اور ان پر تفصیل سے عقلی و نقلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت چھ روپے)

**ریاض السنۃ** تقریباً چھ سو صفحات کی یہ کتاب ان احادیث کا منتخب مجموعہ ہے جس میں ترقی پسندانہ احادیث کے علاوہ ان احادیث کو بھی جمع کیا گیا ہے جن میں توسع و تیسر ہے۔ ادبی مرقعے ہیں۔ اور فقہ کی تشکیل جدید میں بڑی معاونت کرینگے۔ ہر حدیث کی الگ سرخی اور سامنے اس کا سلیس ترجمہ ہے۔ یہ مجموعہ حدیث کی چودہ کتابوں کا خلاصہ اور بے مثل انتخاب ہے۔ قیمت آٹھ روپے۔

ملنے کا پتہ: سکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ ۲۔ کلب روڈ۔ لاہور (پاکستان)